کائنات میں اِنسان کا مقام

(اِسلامی نقطۂ نظر سے)

تالیف:- مولانا محمد تقی امینی

ناشر:- ادارہ علم و عرفان اللہ رکھا بلڈنگ اجمیر

کائنات میں انسان کا مقام

(اسلامی نقطۂ نظر سے)

مولانا محمد تقی امینی کا یہ وہ مقالہ ہے جو جنوری ۱۹۶۳ء میں تھیالوجیکل سوسائٹی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی دعوت پر یونین ہال میں پڑھا گیا۔

ناشر

ادارہ علم و عرفان اللہ رکھا بلڈنگ اجمیر شریف

(قیمت ۵۰ پچاس نئے پیسے)

کتبہ محمد اختر دیوبند

([illegible] پرنٹنگ پریس دیوبند)

طبع اوّل

محرم الحرام ۱۳۸۳ھ مطابق جون ۱۹۶۳ء

صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی اجازت

سے شائع کیا گیا

منیجر ادارۂ علم و عرفان

حضرات! دسمبر ۶۰ء میں تھیالوجیکل سوسائٹی کی دعوت پر حاضر ہوا تھا اور فقہ اسلامی پر چند مقالے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تھی[1]۔ اب جنوری ۶۳ء میں دوسرا موقع ملا ہے کہ اپنی زبان میں آپ سے کچھ گفتگو کروں۔

جیسا کہ معلوم ہے مقالہ کا موضوع "کائنات میں انسان کا مقام" ہے لیکن کسی بھی مسلم ادارہ کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کے فکر و نظر پر اسلام حاوی اور جد و جہد پر اسلام غالب ہو اس لئے موضوع پر جلی حرفوں سے "اسلامی نقطۂ نظر" کا اضافہ ضروری ہے۔

اور اگر یہ نقطۂ نظر کسی وجہ سے نظر انداز ہو گیا تو نہ صرف "ادارہ" کی اصل خصوصیت ختم ہو گی بلکہ ہمارے امانت خانہ کی حفاظت اور اسلامی خصائص کی کفالت کا ایک مضبوط قلعہ منہدم ہو جائیگا۔

مسئلہ کی اہمیت و نزاکت

کائنات میں انسان کے مقام کا مسئلہ نہایت

[1] یہ مقالے ادارۂ علم و عرفان اجمیر سے شائع ہوئے ہیں۔

اہم و نازک ہے اسی پر انسانیت کی بقاو ارتقاء کا مدار ہے اور اسی پر دیگر مسائل کا حل موقوف ہے۔

لیکن انسان ایک سربستہ "راز" اور صناعی کا بہترین "شاہکار" ہے اس کی زندگی میں باریک تاروں اور پُرپیچ راہوں کا وسیع سلسلہ ہے۔

اس "راز" تک پہونچنے اور "شاہکار" کو سمجھنے کے لئے زندگی کے باریک تاروں کو چھیڑنا اور پُرپیچ راہوں سے گذرنا ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر مسافت طے کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

اور مقام کے تعین کے لئے ماورائے عقل پرواز کی ضرورت ہے کہ حدود عقل کی پروازیں اس سے کمتر اور فروتر درجہ کی ہیں۔

لیکن انسان وہاں سفر کر سکتا ہے جہاں اس کی توانائی اجازت دیتی ہے اور اسی منزل تک جا سکتا ہے جس تک عقل ساتھ دیتی ہے راہیں اتنی پُرپیچ کہ قدم رکھتے ہی "توانائی" جواب دیدے اور "تار" اس قدر باریک و متنوع کہ ان کو چھیڑتے ہی وہ اُلجھ کر رہ جائیں۔

مسافت طے کئے بغیر اصل مقام تک پہونچنے کی کوئی شکل نہیں ہے اور تنہا سفر کرنے میں راستہ کی خطرناکیوں سے حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ صورت حال کس قدر پیچیدہ اور معاملہ کتنا نازک ہے

اس قسم کے سفر میں لازمی طور سے ایسے "رہبر" کی ضرورت ہوتی ہے جو راستہ کے نشیب و فراز سے نہ صرف واقف بلکہ رمز شناس ہو اور ایسی "روشنی" درکار ہوتی ہے جو اسی سفر کے لیے مخصوص اور باریک تاروں میں "توازن" پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

انسانیت کی قلب ماہیت | لیکن انسان آخر انسان ہے اور پھر جدید دنیا کا انسان کہ جس نے اپنے لباس ہی کی تبدیلی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دل و دماغ کے ان "کانٹوں" کو بھی بدلنے کی کوشش کی ہے جو انسان کی تلاش و جستجو میں چلا کرتے تھے اور ان "نشانات" کو بھی کھرچنے کا ارادہ کیا ہے جو مقامِ انسانی کی منزلیں بتایا کرتے تھے۔

بھلا اس سے کب توقع تھی کہ پُرخطر گھاٹیوں میں عبور کے لئے کسی "رہبر" کو ساتھ لے گا اور تہ بتہ تاریکیوں کے پردے چاک کرنے کے لئے کسی "روشنی" کی ضرورت محسوس کرے گا۔

چنانچہ اُس نے تنہا سفر ہی پر بس نہ کیا بلکہ نہایت شد و مد کے ساتھ "مقام" تک پہونچنے کا دعویٰ بھی کیا اور پھر اس لاف زنی و ناعاقبت اندیشی کا ہمیشہ جو نتیجہ نکلا کرتا ہے وہی نکل کر رہا کہ ایک طرف زندگی خود زندگی سے گریزاں ہوگئی اور دوسری طرف تمدن خود تمدن کا دشمن بن گیا۔

نکلا تھا مقام کی جستجو میں اور خود کو کھو آیا، چلا تھا منزل کی تلاش میں

اور قدم رکھتے ہی گم ہو گیا۔

بلاشبہ کائنات کی "عکاسی" کے لئے اس نے ایک "آئینہ" تیار کیا ہے جس میں انسان ہی کا صحیح عکس نظر نہ آیا اور بقیہ چیزوں کو بڑی حد تک اس نے پا لیا ہے۔

اس "آئینہ" میں ایک "صورت" نظر آئی جس کو عقل و ہوش کی موشگافیوں اور سر مستیوں نے اختراع کیا تھا اس میں وحشت و حیوانیت کے آثار نمایاں تھے جن کی بناء پر ہر شخص اس سے خائف اور ہر فرد لرزاں تھا جدید دنیا نے اسی کا نام "انسان" تجویز کیا اور "مقام انسان" روحی و ملکیت کا وحشیانہ تصور قرار پایا کہ جس پر ہر اولوالعزمی و بلند پروازی کو قربان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

قلب ماہیت کے محرکات انسان کی یہ قلب ماہیت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے پس پشت عرصہ تک مختلف عوامل و محرکات کی کارفرمائی رہی ہے جن کی تفصیل کا اگرچہ یہ موقع نہیں ہے لیکن سرسری جائزہ میں کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے۔

(۱) یورپ کی نشاۃ ثانیہ (یہ تحریک چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر تقریباً سولھویں صدی عیسوی تک شمار ہوتی ہے) کے وقت عیسوی مذہب کے اصلاح شدہ ایڈیشن میں درج ذیل قسم کی خامیاں و کمزوریاں موجود تھیں۔

(ا) زندگی کے ان "تاروں" کو چھیڑنے اور ان کی حرکات میں توازن پیدا کرنے میں یقیناً ناکام رہا تھا جو عقل کو جذبات پر فتحمند بناتے ہیں

(ب) ایمان و وجدان کی وہ کیفیت پیدا کرنے میں بے بس تھا جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس کرا کے اس تک پہونچاتی ہے۔

(ج) اجتماعی اور تمدنی مسائل سے اس کا تعلق نہ جوڑا گیا تھا۔

(د) عقل و قلب کا "آمیزہ" نہ تیار ہوا تھا کہ اس کی رہنمائی میں زندگی کے مسائل حل کیئے جاتے۔

دراصل مذہب کی یہ اصلاح نہایت محدود تھی اور اس کا بیشتر حصّہ "پوپ" کے خلاف صدائے احتجاج پر مبنی تھا اور "ردعمل" کے طور پر چند خرابیوں کے دُور کرنے ہی میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا اس طرح مذہب کا اصلاح شدہ ایڈیشن اس قابل نہ تھا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی "توانائی" کو واپس لا کر رہبری و رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتا۔

(۲) نشاۃ ثانیہ کے وقت رومی و یونانی تہذیب و تمدن سے جو چیزیں برآمد کی گئی تھیں ان میں دیگر علوم و فنون کے ساتھ ذیل کی چیزوں کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

(ا) فکر و ضمیر کی حریت

(ب) مادی ذہنیت (ج) اور ذوق حسن و لطافت

یہ تینوں زندگی کے لئے جس قدر ناگزیر ہیں اس سے زیادہ خطرناک ہیں اگر اُن کو آزادی و بیباکی کے ساتھ برگ و بار لانے کا موقع ملا تو اُن کی وحشتناکی اور ہوسناکی کے وہ مناظر سامنے آئیں گے کہ دنیا "انگشت بدنداں" رہ جائے گی اور اگر ان کے استعمال میں فطری حدود و قیود کا لحاظ رکھا گیا تو پھر ان سے زیادہ نفع بخش اور سودمند کوئی چیز نہیں بن سکتی ہے۔

"نشأۃ ثانیہ" کی تاسیس میں ان تینوں کو مستقل مقام حاصل ہوا اور کسی خاص مزاحمت کے بغیر برگ و بار لانے کا موقع ملتا رہا۔

(۳) نشأۃ ثانیہ کے وقت زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے ایسے تجربہ کار "ڈرائیور" نہ میسر آسکے جو احساس و جذبات (اسٹیم کی طاقت) کا صحیح اندازہ کرکے استعمال کے لئے کوئی لائحۂ عمل تجویز کرتے جس سے یہ طاقت معتدل انداز میں خرچ ہوتی رہتی نہ بے موقع خرچ ہوتی اور نہ ضرورت سے زیادہ خرچ کی جاسکتی۔

اس وقت جو "ڈرائیور" (لیڈر) سامنے آئے وہ قوم کی پچھلی محرومیوں اور ناکامیوں سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کے پیشِ نظر صرف زندگی کی گاڑی چلانا تھا سمت کے تعین اور رفتار کے توازن سے انھیں زیادہ سروکار نہ تھا۔

یا ان لیڈروں (ڈرائیور) نے قیادت کی باگ سنبھالی جو احساس و جذبات کی نیرنگیوں اور عقل کی چیرہ دستیوں سے اس قدر مرعوب تھے کہ

ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ موجودہ سطحوں سے بلند ہو کر زندگی کے لئے کوئی گائڈ بک" GUID BOOK تیار کرتے اور اس میں جذب ہونے کو زندگی اپنی سعادت سمجھتی۔

فلسفۂ حیات کی شکل میں چند جدید نظریات

غرض دورِ جدید (تقریباً سترہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے) میں ایک ایسی زندگی کی تنظیم ہوگئی جو پرانی زندگی پر بہر صورت "نقاد" نظر آنے لگی اور فلسفۂ حیات کی شکل میں چند ایسے نظریات کو فروغ حاصل ہوا کہ جنھوں نے انسان کے "رُخ" کو ملاءِ اعلیٰ سے موڑ کر ملاءِ اسفل کی جانب کر دیا مثلاً:۔

(۱) نظریۂ قومیت جس نے قومی مملکت کو کائنات کی اعلیٰ ترین ہستی اور انسان کی اصلی غرض وغایت قرار دیا، اس نے نفسِ قوت کی خاطر ترقی قوت کی تبلیغ کی۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ قوت کس سمت میں کام کرے گی اور پھر اخلاق وقانون اور مذہب وغیرہ کا کیا حشر ہوگا۔[لہ]

(۲) نظریۂ ارتقاء جس نے انسان کو حیوانی النسل اور بندر کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا اور اصل بنائے کار "مادہ" کو ٹھیرایا۔ نفس وروح اور عقل وشعور وغیرہ مادہ ہی کی ایک صورت اور اسی کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ہیں[ٹہ]

لہ نظریۂ سلطنت ص۲۷ ۲۷، ٹہ تاریخ فلسفہ ص۹۳م اور حکایت فلسفہ ص۵۰۷

(۳) نظریۂ جبلت جس نے انسان کے اندر وہی جبلتیں تجویز کیں جو اس سے نچلے درجہ کے حیوانات میں ہیں اور انسان کی "فطرت" کو اس کی حیوانی جبلتوں ہی پر مشتمل بنایا۔[1]

(۴) نظریۂ جنسیت جس نے تحت الشعور کی تمام تر نوعیت میں محض جنسی محبت و خواہشات کا جذبہ تسلیم کیا اور انسان کو ایک مغلوب الشہوات حیوان میں تبدیل کر کے "فطرتاً" اس کو "برا" بنایا۔[2]

(۵) نظریہ اشتراکیت جس نے انسان کو "مادہ" کی بنی ہوئی "کل" تسلیم کیا کہ انسان کی فطرت محض مادی حالت کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے نیز روٹی، کپڑا، مکان و دیگر مادی اشیاء کے علاوہ اور کسی روحانی ضرورت کو انسان کے لئے "شجرِ ممنوع" قرار دیا۔

نظریات کا زندگی میں اثر | اس طرح جدید دنیا میں

(۱) اصل مذہب کی جگہ سیاسی مذہب نے لیا

(۲) انسان نورانی الاصل کی جگہ حیوانی النسل قرار پایا۔

(۳) فطرتِ انسان کی لطافت کو جبلت کی کثافت سے بدلا گیا۔

(۴) عفت و عصمت کے جذبہ کو جنسیت کی ہوسناکی میں تبدیل کیا گیا۔

---

[1] اساس نفسیات باب ہفتم [2] جدت نفسیات باب پنجم

(۵) انسان کے روحانی "آبگینہ" کو اشتراکیت کی قساوت نے پاش پاش کیا، اور بالآخر اس دور کا انسان ایک عجیب و غریب مخلوق بن کر رہ گیا کہ جب اس کو "نورانی" اوصاف کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے تو کہتا ہے کہ میں حیوانی نسل سے ہوں اس لئے حیوانیت ہی کے تقاضے میری زندگی میں اُبھریں گے اور جب حیوانوں کی طرح چار پاؤں پر چلنے کو کہا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں انسان ہوں اگرچہ "بندر" میرا جد امجد ہے۔

اب انسان وہ انسان نہیں رہ گیا ہے جس کی شرافت و عدالت امانت و دیانت کو یاد دلایا جاتا تھا اور انسانی حمیت و غیرت کو اُبھارا جاتا تھا بلکہ ایک ایسی "نوع" میں تبدیل ہو چکا ہے کہ جس کے اغراض و مقاصد مبدأ و منتہا، وغیرہ سب مختلف ہیں۔

چنانچہ شریف و صالح انسان وہ نہیں ہے جو اخلاقی جواہر و بلند کرداری سے آراستہ ہو بلکہ وہ ہے جو فتحیاب ہو کر بقاء و ارتقاء حاصل کرے خواہ اس کے اخلاق و کردار "درندے" جیسے ہوں اور رذیل و غیر صالح وہ ہے جو شکست کھا کر ناکام و نامراد رہے اگرچہ وہ "فرشتہ" جیسے خصائل و صفات سے متصف ہو،[۱] یہ قلب ماہیت محض اس بناء پر ہوئی ہے کہ عقل کو ایسی جگہ استعمال

---

[۱] ملاحظہ ہو حکایت فلسفہ۔

کیا گیا جو ماورائے عقل تھی اور جس تک رسائی انسان کے حیطۂ اختیار سے باہر تھی۔

خالقِ کائنات کا انتظام خالق کائنات نے انسان کی اسی نارسائی کا لحاظ کرکے ابتدا سے اپنی "ہدایات" کا تسلسل قائم کیا ہے تاکہ ان کی روشنی میں زندگی کے باریک "تاروں" کو سمجھنے اور اس کی "پرپیچ راہوں" سے گذرنے میں سہولت ہو۔

"ہدایات" کے ساتھ منظم اسکیم کے تحت ایسے رہنماؤں کے بھیجنے کا بھی بندوبست کیا ہے جو نہ صرف راستہ کے نشیب و فراز سے واقف بلکہ اُن کے رمز شناس ہیں اور جن کا فرض منصبی یہ ہے کہ انسان کو اصلی رنگ و روپ میں پیش کریں، اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھائیں اور کائنات میں اس کے کام اور مقام کی تعیین کریں۔

ہدایاتِ الٰہی کی حیثیت ان "ہدایات" کی حیثیت پرانے دستاویز یا OUT OF DATE قانون کی نہیں ہے بلکہ مکمل دستور حیات اور منضبط "کانسٹی ٹیوشن" CONSTITUTION کی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا (۶، ۱۱۵) — اور تمہارے رب کی سچائی اور انصاف کی بات پوری ہو کر رہی۔

یہ "ہدایات" کسی دور اور زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان کی

حیثیت دوامی اور عالمگیر ہے۔

لا تنقضی عجائبہ و لا یخلق عن کثرۃ الرد (الحدیث)	مجموعہ ہدایت کے عجائب (حقائق و معارف) کبھی ختم نہ ہوں گے اور بار بار تکرار سے پرانا کبھی نہ ہوگا۔

ان میں ہر ترقی پذیر معاشرہ اور اقتضاء و مصالح کو جذب و انگیز کرنے کی پوری صلاحیت ہے۔

فقد انقصمت ظہور الفحول عن ادراکھا و عجزت الافکار عن التطویف حول حریمھا۔	ان کے ادراک سے مرد میدان کی کمریں ٹوٹ گئی ہیں اور افکار و تصورات کی بلند پروازی ان کے حریم کے گرد چکر لگانے سے عاجز آگئی ہے۔

مجموعۂ ہدایت میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہے اور نہ عدم حفاظت کی بات قابل سماعت ہے۔

لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶/۱۱۵)	اس کی باتوں (قوانین) کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵/۹)	بلا شبہ ہم نے قرآن اتارا اور خود ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

رہنمایانِ انسانیت کا مقام اسی طرح وہ رہنمایانِ انسانیت جو ہدایات کو اپنے ساتھ لائے ہیں ان کی حیثیت تاجر یعنی سیاسی لیڈر کی نہیں ہے کہ

وہ خودغرض ہوں اور انسانوں سے اپنی توقعات وابستہ رکھیں۔ بلکہ داعی وفائد کی ہے جن کا سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہوتا ہے چنانچہ ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اپنی حیثیت واضح کی اور برملا کہا۔

وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ (پ ۱۹)

میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں میرا معاوضہ اللہ کے ذمہ ہے

ممکن ہے رہنماؤں کی یہ حیثیت ان فلسفیوں کی سمجھ میں نہ آئے جنھوں نے انسان کو بالطبع خودغرض قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ انسان کے سارے کام نفع ذات کیلئے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ماں باپ کی محبت بھی خودغرضی سے خالی نہیں ہوتی ہے۔

لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ انھوں نے کہا وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور انہیں کی تحقیقات پر دنیا کے سارے مسائل ختم ہوگئے ہیں اب مزید تحقیق کی گنجائش نہیں ہے؟

اگر بالفرض فلسفیوں کی اس تحقیق کو ہم تسلیم کرلیں جب بھی کوئی دشواری نہیں آتی ہے کیونکہ ان رہنماؤں کے پیش نظر دنیوی غرض نہیں ہوتی ہے البتہ حقیقی غرض اللہ کی رضا ومحبت بدرجۂ اتم ان میں موجود ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے اسی کو وجہ اللہ، سبیل اللہ اور مرضات اللہ وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

یہ "راہنما" علم و حکمت کے اس بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ جہاں سے ہر شے کی گہرائی تک پہونچنا اور پھر سارے پہلوؤں کو سامنے رکھکر مبصرانہ حیثیت سے گفتگو کرنا آسان ہوتا ہے۔

حدیث لکل حد مطلع میں علم و حکمت کے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ "مُطّلَع" اس "جھروکہ" کو کہتے ہیں جو انتہائی بلندی پر ہوتا ہے اور انسان اس بلندی پر چڑھکر تمام متعلقہ چیزوں سے واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ علم و حکمت کے اس درجہ میں وہ تمام باریکیاں اور گہرائیاں موجود ہیں جو مقام انسانی کی دریافت کے لئے ناگزیر ہیں مثلاً

(۱) حقائق اشیاء کی معرفت (۲) ہر شے کو مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت (۳) انوار قلوب و اسرار عیوب سے واقفیت (۴) حیوانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت (۵) عقل کی رہنمائی و قلب کی بصیرت (۶) نفس و شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی (۷) برائیوں کی صحیح نشاندہی کرکے علاج کی صحیح تدبیریں (۸) اور بھلائیوں پر واضح خطوط کھینچ کر عمل کرانے کی ٹھیک ترکیبیں وغیرہ

دراصل زندگی کی گاڑی چلانے کا حق انہیں حضرات کو حاصل ہے یہی اسٹیم (احساس و جذبات) کی طاقت کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں اور یہی طاقت کے استعمال و طریق استعمال میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کے لئے "لائحہ عمل"

تجویز کر سکتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان بزرگوں نے روحوں اور دلوں کی بستیاں اُلٹ کر انسان کو عظمت و رفعت کے ایسے مقام پر فائز کیا ہے کہ مادی دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہے اور زندگی کے لئے ایسا "گائڈ بک" تیار کر کے دیا ہے کہ زندگی اس میں جذب ہونے کو اپنی سعادت سمجھتی رہی ہے۔

"انسان" کے باب میں انھیں ہدایات اور رہنماؤں کے پیش کئے ہوئے نقطۂ نظر کو اسلامی نقطہ نظر کہا جاتا ہے چونکہ ان کی پرواز نہایت بلند اور ماورائے عقل بھی ہوتی ہے۔ اس لئے فطری طور پر یہی "نقطۂ نظر" مقام انسان کی صحیح نشان دہی کر سکتا اور اس کے ظاہر و باطن کے مناسب حال بن سکتا ہے اور جب انسان کی شان کے مناسب اس کا حال و مقام معلوم ہو گیا تو پھر اس کی تیار کی ہوئی دنیا کے دیگر مسائل کا خاطر خواہ حل نکالنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی ہے۔

انسان کے مقام کیلئے چار چیزوں میں غور و خوض کی ضرورت ہے

اسلامی نقطۂ نظر سے کائنات میں انسان کا مقام اس قدر بلند اور ہماری حد بندی سے ماوری ہے کہ جس جگہ عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے وہیں سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور عقل کی جو انتہائی پرواز ہے وہ اس کا نقطۂ آغاز ہے چنانچہ "عارفین" نے انسان کی اصل حقیقت کی سراغ رسانی کے لئے بنیادی حیثیت سے چار

چیزوں میں غور و فکر کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۱) انسان کی اصلیت

(۲) کارکردگی کی صلاحیت

(۳) کام کی نوعیت

(۴) جد وجہد کا میدان

انسان کی اصلیت | ان چاروں کی وضاحت کے بعد کائنات میں انسان کا مقام خود بخود ابھر کر سامنے آجاتا ہے

(۱) انسان کی اصلیت

(۱) کائنات کی دیگر چیزیں لفظ "کُن" کے اشارہ سے ظہور پذیر ہوئی ہیں لیکن انسان کی پیدائش میں خالق کائنات کا دستِ خاص مصروفِ عمل رہا ہے۔

خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (۷۶،۴۹) اپنے ہاتھوں سے میں نے اس کو بنایا

(۲) پیدائش کی اس خصوصیت کی بنا پر انسان عظمت و بلندی کے نہایت اونچے مقام پر فائز ہوا ہے۔

لا اجعل من خلقته بیدی ونفخت فیه من روحی کمن قلت له کن فکان

(حدیث قدسی)

جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی روح اس میں پھونکی اس کو ان مخلوقات کے برابر نہ کروں گا جن کو میں نے لفظ "کُن" سے بنایا ہے۔

(۳) انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے بلکہ مافوق حیوان ایک مستقل مخلوق ہے جو خالق کائنات کی "صناعی" کا بہترین شاہکار ہے۔

يَآ أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ (۸۲، ۶)

اے انسان کرم کرنے والے پروردگار سے کس چیز نے تجھ کو فریب دیا، اس نے پیدا کیا، تندرست کیا، نظم زندگی کو ٹھیک کیا پھر جس صورت میں چاہا ترتیب دیا۔

(۴) کائنات کو مسخر کرنے کے تمام "جواہر" جو انسان کے اندر ودیعت ہیں وہ حیوانیت کی بتدریج ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس بات کا "کرشمہ" ہیں کہ خالق کائنات نے اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ (۳۲، ۹)

پھر اللہ نے انسان کو درست کیا اور اس میں اپنی روح سے (کچھ) پھونک دیا۔

(۵) جواہر انسانیت جو اس کو دیگر تمام مخلوق سے بلند و ممتاز کرتے ہیں وہ "مادہ" کی نشو و ارتقار کی بنا پر نہیں ظاہر ہوئے ہیں بلکہ اس بنا پر ہیں کہ خالق کائنات نے اپنی صفات کا "پرتو" ڈالا ہے اور انھیں صفات کے ساتھ متصف ہونے کا حکم دیا ہے۔

تخلقوا باخلاق اللہ (الحدیث)

اللہ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ

(۶) انسان کی تمام غیر معمولی تخلیقی و تنظیمی صلاحیتیں اول ہی دن سے اس کی فطرت میں ودیعت ہیں اور اس بنا پر ہیں کہ اس کو خاص فطرت پر پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ارتقاء حیاتیاتی کے مراحل طے کرنے سے ہیں جیسا کہ نظریۂ ارتقاء کی تشریح میں ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰، ۳۰) — اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

(۷) یہ فطرت انسان کو پیدائشی طور پر نیک و صالح قرار دیتی ہے اور اسی کی روشنی زندگی کے ہر موڑ و موقف پر "لائٹ" کا کام کرتی ہے۔

جس طرح تخم میں بالقوۃ نشوونما اور درخت بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے اسی طرح فطرت میں نشوونمائی اور برگ و باری کی پوری استعداد ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ [1] — ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

(۸) فطرت وہ "نیچرل کانسٹی ٹیوشن" ہے کہ جس پر انسان پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے [2]۔

نہ مقابل، مجاز کی طاقت اس کی "توانائی" کو بالکلیہ ختم کر سکتی ہے اور نہ زندگی کا کوئی "موڑ" اس کو بدل سکتا ہے۔

---

[1] بخاری و مسلم [2] عروج و زوال کا الٰہی نظام ص ۲۵

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (۳۰/۳۰)	اللہ کی خلقت کے لئے کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

البتہ جب دوسرے مخالف موثرات کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور جب بھی موقع ملتا ہے تو پھر ابھر کر نمودار ہو جاتی ہے

(۹) خالق کائنات نے زندگی کی پُرخطر راہوں سے عبور اور نشیب و فراز سے واقفیت کے لئے ایسی قوتیں عطا کی ہیں کہ انسان ان کے ذریعہ بڑی آسانی سے سفر کر سکتا ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (۳۲/۹)	اللہ نے تمہارے لئے دیکھنے سننے کی طاقت اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔

(۱۰) اور مختلف انداز کی ملکی "توانائیاں" ودیعت کی ہیں کہ ان کی مدد سے حیوانی و شہوانی تقاضوں پر غلبہ پا سکتا ہے۔

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ای طریقتہ التی جبل علیہ[۱] (۱۷، ۸۴)	ہر ایک اپنے اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جس پر اس کی جبلت[۱] کی گئی ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صنا و صنا

(۱) غرض انسان کو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے نہایت اونچے معیار پر بنایا گیا ہے، نچلے درجہ کے ساتھ مشابہت شان کے منافی اور وقار کو چیلنج ہے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۹۵، ۴)	ہم نے انسان کو نہایت عمدہ پیمانہ پر پیدا کیا ہے۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کی اصل "نورانی" ہے اور اس کی پرواز خالق کائنات کی طرف ہے نہ کہ کائنات کی کسی اونچی سے اونچی شئی کی جانب۔

اگر اس کو حیوان کی نسل سے مانا جاتا ہے جیسا کہ ڈارون CHARLES DARWIN کا خیال ہے تو قلب ماہیت ہوتی ہے اور انسان کا رجحان چند حیوانی ضرورتوں اور سطحی تقاضوں میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔

نیز فطرت وغیرہ زندگی کے مؤثرات و محرکات کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

جن مسلم مفکرین (ابن مسکویہؒ و مولانا رومؒ وغیرہ) کے یہاں "ارتقاء" کا ذکر ملتا ہے اس سے مراد نفسیاتی ارتقاء ہے نہ کہ حیاتیاتی ارتقاء جس کا تعلق انسانی و حیوانی خصائل سے ہے اور ان دونوں کی نمائندگی قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ وغیرہ نام سے انسان میں موجود ہے۔

(۲) کارکردگی کی صلاحیت

(۱) خالقِ کائنات نے انسان کو ایک ایسے علم سے نوازا ہے کہ کائنات کی کسی مخلوق کو وہ علم عطا نہیں کیا ہے اور وہ حقائقِ اشیاء کا علم ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲/۳۱)	اللہ نے آدمؑ کو "الاسماء" کا علم سکھایا۔

محققین و مفسرین نے "الاسماء" سے حقائقِ اشیاء کا علم مراد لیا ہے[1] اور علم سے اجمالی علم مراد ہے جس سے صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

علماً اجمالیا ولیس المراد العلم التفصیلی[2]	علم "اجمالی" مراد ہے نہ کہ تفصیلی علم

اس علم کی فضیلت و بزرگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ "فرشتے" جو کائنات میں متصرف اور کارپرداز کی حیثیت رکھتے ہیں وہ بھی اس کے مقابلہ سے عاجز رہے اور لاعلمی کا اظہار و عجز کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا	خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے لیئے ہیں ہم تو اتنا ہی جانتے

---

[1] احکام القرآن ص۲۳ جلد۱ و تفسیر مظہری ج۱ ص۵۰ [2] تفسیر مظہری ج۱ ص۵۱

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (۲، ۳۰)	ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے علم تیرا علم ہے اور حکمت تیری حکمت ہے

(۲) انسان کو تحصیل علم کے تین ذریعے عطا ہوئے ہیں اور یہ تینوں ایک ساتھ کسی اور مخلوق کو نہیں دیئے گئے ہیں۔

(۱) محسوسات (۲) معقولات (۳) اور مغیبات

طرق العلم ثلثةٌ الاخذ من المحسوسات والانتقال من المعلوم الی المجهول والتلقی من الغیب [1]	علم کے تین راستہ ہیں (۱) محسوسات سے علم حاصل کرنا۔ (۲) معلوم سے نامعلوم کی طرف پہونچنا۔ (۳) اور "غیب" سے علم حاصل کرنا۔

(۳) انسان کو عقل و تجربہ کی ایسی رہنمائی عطا ہوئی ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں اس کے تابع فرمان کردی گئی ہیں یعنی ان کو تابع بنانے کی اہلیت بخشی گئی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (۱۵، ۱۲)	اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی ساری چیزیں اس کے تابع فرمان کردیں۔

[1] عبقات ص۲

حتیٰ کہ "فرشتے" جیسی عظیم مخلوق کہ باطنی طور پر کائنات کا دروبست اُن کے سپرد ہے وہ بھی اس رہنمائی کے آگے حلف وفاداری پر مجبور ہوئے اور جو کوئی بھی وفاداری کے لئے تیار نہ ہوا وہ راندۂ درگاہ کردیا گیا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲، ۳۲)	اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ تو وہ جھک گئے مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی اس نے انکار کیا گھمنڈ کیا اور کافروں کے زمرہ میں ہو گیا۔

(۴) علم و عقل کی تربیت کے لئے ایک عرصہ تک انسان کو "جنت" میں رکھا گیا اور جنت میں ساری آزادی و سہولتیں مہیا کی گئیں تاکہ وہاں کے نظام اور تعمیر و ترقی کو سمجھ کر صلاحیت میں نکھار اور علم میں جِلا پیدا ہو۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (۲، ۳۳)	اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم میاں بیوی جنت میں رہو اور فراغت و آزادی کے ساتھ جہاں چاہو کھاؤ پیو

(۵) جب "ٹریننگ کورس" پورا ہوا اور تربیت مکمل ہو گئی تو "کائنات" بطور امانت انسان کے حوالہ کر دی گئی کہ اسی کے حل و عقد میں خودی و

خودداری کا راز پوشیدہ اور در و بست میں صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا احساس خوابیدہ تھا۔

یہ "امانت" اس قدر نازک و عظیم تھی کہ ہر اہم مخلوق کے سامنے پیش کی گئی اور سب کی "توانائی" نے جواب دے دیا لیکن حضرت انسان نے اپنی قیادت و سیادت کے نشہ میں اس کو قبول کر لیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (۳۳، ۲۲)	ہم نے آسمانوں کے سامنے، زمین اور پہاڑوں کے سامنے "امانت" پیش کی، ان سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن انسان نے اس کو برداشت کر لیا۔

(۶) تربیت کی تکمیل اور صلاحیت میں پختگی کا مشاہدہ اس وقت ہوا جبکہ انسان نے "شجر ممنوعہ" کو استعمال کیا اور جرم کا احساس ہوتے ہی عجز و نیازمندی کی گردن جھکا کر کہنے لگا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۷، ۲۲)	اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہماری بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

نافرمانی شیطان نے بھی کی اور انسان سے بھی ہوئی لیکن شیطان نے غرور و سرکشی کی راہ اختیار کی اور جرم کے بعد اس نے کہا

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (۷، ۱۲)	میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا۔

لیکن انسان نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور فوقیتوں کے باوجود عجز و نیازمندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کہ اسی میں تربیت کی تکمیل اور صلاحیت میں پختگی کا راز پوشیدہ تھا اور اسی بنا پر تمام مظاہر قدرت سے وہ افضل ہونے کا مستحق ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۱۷، ۷۰)	اور ہم نے انسان کو معزز بنایا۔

اوپر کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی صلاحیتوں میں خالق کائنات کی جھلک اور اس کے "انوار" کا عکس ہے۔

اگر اس کی جبلتیں یا نفسیاتی بنیادیں تمام تر حیوانی جبلتوں پر مبنی ہوتیں جیسا کہ مشہور ماہر نفسیات میکڈوگل McDOUGALL کا خیال ہے تو انسان نہ ان صلاحیتوں کا اہل ہوتا اور نہ اس میں وہ "لطافت" پیدا ہوتی جو ان کے لئے درکار ہے۔

کام کی نوعیت | (۳) کام کی نوعیت

انسان کی اصلیت وصلاحیت کے پیش نظر لازمی طور سے اس کے کام کی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ جس میں کائنات کی اور کوئی مخلوق سہیم وشریک نہ بن سکے چنانچہ خالق کائنات نے اس کی حیثیت کے مطابق اپنی "نیابت" کا کام سپرد کیا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۲/۳۰) میں زمین میں "نائب" مقرر کر رہا ہوں۔

ظاہر ہے کہ "نیابت" کا کام کس قدر اہم اور ذمہ داری کتنی نازک ہے؟ جب تک راستہ کے نشیب و فراز سے واقفیت اور خطرات سے آگاہی نہ ہو، سرحد پر سنگ نشان اور بنیادی ہدایتیں نہ ہوں اُس وقت تک اس عظیم ذمہ داری سے سبکدوشی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اسی بنا پر خالق کائنات نے عہدۂ نیابت پر بھیجتے وقت درج ذیل بنیادی باتوں کی ہدایت کی تھی۔

(۱) مخالف طاقتوں (نفس وشیطان وغیرہ) سے ہوشیار رہنا اور دامن بچا کر کام کرتے رہنا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲/۳۶)

(۲) دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے بلکہ ایک مقررہ وقت تک "ڈیوٹی" دینا ہے اس لئے اس کو مقصود زندگی نہ بنانا وَ لَکُمْ

فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (۲/۳۶)

(۳) کائنات کی چیزوں کو استعمال کرنا اور ان سے فائدہ اُٹھانا لیکن اپنی حیثیت کو کسی لمحہ بھی فراموش نہ ہونے دینا وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (۲/۳۶)

ان کے علاوہ خالقِ کائنات نے چلتے وقت چند ابدی حقائق اور ناقابلِ تغیر اخلاقی قوانین سکھائے تھے جن میں دعا و استغفار کے "کلمات" بھی شامل تھے۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ (۲/۳۷)

لیکن کام کی اہمیت و نزاکت کے پیشِ نظر ان ہدایتوں سے ہمیشہ کام چلنے والا نہ تھا، راہ بڑی پُرپیچ اور منزل نہایت دشوار گذار تھی اس لئے خالقِ کائنات نے وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت "ہدایات" کے بھیجتے رہنے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے رہنے کا وعدہ فرمایا تھا

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی الخ (۲/۳۸)

"نیابتی اُمور" کی انجام دہی کے لئے اس انتظام کی مثال یوں سمجھئے کہ جب کسی شخص کو اہم ڈیوٹی سپرد ہوتی ہے تو صلاحیت و مقابلہ کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لینے کے باوجود اسے باقاعدہ ٹریننگ

دی جاتی ہے۔ مقامی کیفیات و حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ کام کی نوعیت اور حالات کے نشیب و فراز سے واقف کرایا جاتا ہے۔ ان تمام مرحلوں سے گذارنے کے باوجود عہدہ پر بھیجتے وقت بھی چند ہدایتیں دی جاتی ہیں اور وقتاً فوقتاً حکم و احکام کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، بہت سی باتوں کی حال و مقام کی مناسبت سے تفصیلات دی جاتی ہیں اور بہت سی باتوں میں متعلقہ "افسر" کی عقل و بصیرت پر اعتماد کرکے صرف "پالیسی" کے تعین پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

غرض اس انتظام و اہتمام کے بعد حضرت انسان عہدہ پر تشریف لائے اور اپنے کام کی انجام دہی میں مشغول ہوئے۔

"دنیا بنی کاموں" کی اصل نوعیت یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بحیثیت مجموعی خالق کائنات کی "نمود" ہو اور نظامِ زندگی میں اس کی "حکمتِ عملی" کا ظہور ہو۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ	اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں
خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ	نائب بنایا لوگوں کے درمیان
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا	حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ
تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ	کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو
عَنْ سَبِيْلِ	ورنہ وہ اللہ کے راستہ سے

اللہِ (۳۶/۳) گمراہ کردیں گی۔

ایک طرف زندگی میں صفاتِ الٰہیہ منعکس ہوں تو دوسری طرف تخلیق و تسخیر کے وہ کارہائے نمایاں انجام پائیں کہ جن سے ذات خداوندی آشکارا ہو۔ ؎

نمود اس کی، نمود تیری، نمود اس کی

خدا کو تو آشکار کردے، خدا تجھے آشکار کردے

اور دونوں میں اس انداز کا ربط و ضبط قائم ہو کہ اگر خالقِ کائنات قلبِ انسانی میں جلوہ فگن ہوں تو قائدِ کائنات نورِ الٰہی کو اپنی نگاہ میں سموئے ہوئے ہو۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے:۔

لا یسعنی الا قلب مومن (الحدیث)	میری سمائی بجز قلبِ مومن کے اور کہیں نہیں ہو سکتی ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ (الحدیث)	مومن کی فراست سے ہوشیار رہو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

جن فلسفیوں نے خالق و مخلوق کے اس "ربط" کو نہیں سمجھا ہے

ان کو عارفین نے اس طرح سمجھایا ہے۔

دل را اگر تو صاف کُنی ہمچو آئینہ — در روئے جمالِ دوست بہ بینی چو آئینہ
او در دلِ من است و من اندر کفِ ویَم — چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

ظاہر ہے کہ اگر تحت الشعور جذبہ کی تمام تر نوعیت جنسی محبت کو قرار دیا جائے جیسا کہ فرائڈ "SLGMUND FREUD" کا خیال ہے تو خالق و مخلوق کا مذکورہ ربط نہیں قائم ہو سکتا ہے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس جذبہ کی حقیقت براہِ راست خدائے تعالےٰ کی محبت قرار پائے۔

جد و جہد کا میدان

(۴) جد و جہد کا میدان

عہدہ کی قدر و منزلت کے پیشِ نظر خالقِ کائنات نے جد و جہد کے دو عظیم الشان میدان انسان کے سپرد کیئے ہیں۔

(۱) ایک خود کی ذات (۲) دوسرا پوری کائنات

اور ان دونوں میں باہمی نسبت و تعلق اس قسم کا رکھا ہے کہ اگر کسی ایک سے غفلت برتی گئی تو نتیجہ ہلاکت و بربادی کی شکل میں ظاہر ہونا یقینی ہے۔

یعنی اگر صرف کائناتی تصرف کی طرف توجہ ہوئی اور اس کے ساتھ بلند تصورات و اخلاقی اقدار کی تنظیم نہ ہوئی تو آگے چل کر انہی تصرفات کی وجہ سے

تمدن خود تمدن کا دشمن بن جائے گا۔ اور اگر بلند تصورات و اخلاقی اقدار کے ساتھ "تصرفات" کا ارتقائی سلسلہ نہ جاری رہا تو اس سے نہ کوئی مضبوط و پائدار "کلچر" پیدا ہوگا اور نہ قیام و بقاء کی ضمانت حاصل ہوگی۔

دونوں میں اس نسبت و تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے خالقِ کائنات نے حسبِ وعدہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ "ہدایات" بھیجنے کا مستقل سلسلہ جاری رکھا، ایک میدان سے متعلق تفصیلی ہدایات آتی رہیں، اور دوسرے میں صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے پر اکتفاء کیا جاتا رہا۔

چونکہ انسان کائنات کا قائد اور اللہ کا نائب ہے اس لئے لازمی طور سے اس کی زندگی مقابلۃً زیادہ پُرپیچ اور نظامِ زندگی زیادہ دقت طلب ہے۔ پھر معاملہ اپنی ذات کا ہے جس میں خود کی "توانائیاں" اپنے لئے بالعموم جواب دیدیتی ہیں۔ اس لئے انسان کو اپنی زندگی کے قیام و بقا کی خاطر لامحالہ تفصیلی رہنمائی اور واضح احکام و قوانین کی ضرورت ہے۔

لیکن کائنات کا معاملہ اس سے زیادہ آسان ہے کیونکہ انسان خود اس کا حاکم و متصرف موجود ہے اور کائناتی تصرفات انسان ہی کی غیر محدود خواہشوں اور ضرورتوں کی پیداوار ہیں اس لئے نہ بیرونی تفصیلی رہنمائی کی ضرورت ہے اور نہ وہ رہنمائی تغیر پذیر اور نوع بنوع تصرفات کا ساتھ دے سکتی ہے۔

ان تصرفات کے باب میں صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے اور خطرات پر سنگ نشان قائم کردینے کے بعد عقل و تجربہ کی رہنمائی بڑی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خالقِ کائنات نے انسان سے متعلق تفصیلی ہدایات کا باقاعدہ اہتمام کیا اور کائنات میں صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے پر اکتفاء کیا۔

نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تعلیم و تربیت کے ذریعہ سیرت سازی کی شاندار "فیکٹریاں" قائم کرتے رہے لیکن اپنے "معجزات" کے ذریعہ کائناتی تصرفات کا صرف "رخ" بتاکر عقل و تجربہ کی رہنمائی پر اعتماد کرتے رہے جیسا کہ عربی شاعر نے کہا ہے ؎

وقد قیل ان المعجزات تقدما　　　بما ترتقی فیہ الخلیقۃ فی مدیٰ

ہدایات کا آخری ایڈیشن اور قدرتی انتظامات

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ سلسلۂ انبیاءؑ کی آخری کڑی تھے اور آپؐ کی لائی ہوئی ہدایتیں الٰہی ہدایات کا آخری ایڈیشن تھیں اس بنا پر لازمی طور سے آپ کی تفہیمات و تعلیمات زیادہ جامع و مکمل ہیں۔

اگر قرآن حکیم میں ایک طرف انسان کی زندگی سے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سیرت سازی کا عظیم الشان

"کارخانہ" قائم کیا ہے۔

تو دوسری طرف کائناتی تصرفات سے متعلق قرآن حکیم کے بڑے حصہ میں حقائق موجودات، محاسن کائنات، مناظر قدرت، مظاہر فطرت اور تسخیر کائنات وغیرہ کا تذکرہ محفوظ ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزات کے ذریعہ موجودہ دور میں ہونے والی ترقیات کی جانب بھی اشارہ کر دیا ہے۔

چنانچہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ "سائنٹفک" دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ چھٹی صدی عیسوی سے ہوا ہے۔

قرآن حکیم اور رسولِ کائنات ہی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ذرہ سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک اپنی اصلی ساخت و مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ صلاحیت بخشی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لائے۔

یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب کہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے "عناصر" کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا اس

خیال کے ماتحت کہ خالقِ کائنات نے کائنات کو پیدا کر کے حکمرانی کے لئے "شیطان" کے حوالہ کر دیا ہے، مطالعۂ فطرت کو مذموم جانتے تھے اور جو کوئی اس کی جانب توجہ کرتا بھوت پلید سے اس کا تعلق جوڑتے تھے۔

اسلام کے اسی تخیل اور مقامِ انسان کے اسی تعین کے پیشِ نظر جیسی جیسی خواہشیں اور ضرورتیں بڑھتی گئیں مسلمان برابر کائناتی تصرفات کی طرف توجہ کرتے رہے اور سائنس کے "عناصر" کو قابو میں لانے کی کوشش میں مصروف رہے حتیٰ کہ یورپ کو اس قابل بنایا کہ وہ "نشأۃ ثانیہ" کی بنیاد رکھ سکے۔

اس موضوع پر حق پرست محققین نے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اس لئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اخذ و استفادہ میں یورپ کی پہاڑ جیسی غلطی کی نشاندہی ضروری ہے۔

یورپ کی پہاڑ جیسی غلطی

اس میں شک نہیں کہ یورپ نے کائنات سے متعلق اسلامی ہدایتیں قبول کیں لیکن انسان سے متعلق اس کی گہری اور دُور رس ہدایتوں کو بڑی حد تک اس نے فراموش کر دیا۔

اس کی وجہ حقیقت بینی و حق شناسی کی نگاہ نہ تھی بلکہ عیسوی مذہب کی زندگی کُش پالیسی اور صلیبی جنگوں سے پیدا شدہ رقابت تھی کہ جس کی بنا پر مذہب اسلام سے اپنی تسکینِ حیات کا سامان نہ کر سکا۔

پھر جو قوم اس مذہب کی حامل تھی وہ جوانی سے گذر کر ضعیفی کے دور

میں داخل ہو چکی تھی جس کی وجہ سے یہ مذہب اپنی تمام تر بلندیوں اور ترقیوں کے باوجود اصلی شان و شوکت کے ساتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔

اِدھر نئی زندگی میں جس قسم کے خیالات و افکار پرورش پا رہے تھے اور ان سے جیسی معاشرتی زندگی "نمودار" ہونے والی تھی اس کے ساتھ سمجھوتہ کے لئے ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی کہ جس سے وقتِ ضرورت نفس کی تسلّی کا کام تو لیا جاتا رہے باقی اور حالات و معاملات میں وہ دخیل نہ بن سکے۔

غرض ان وجوہات کی بنا پر نئی دنیا کو یہ "نسخۂ شفا" میسّر نہ آسکا اور سیاسی مذہب کے دامن میں پناہ لینے کو غنیمت جانا لیکن اس سے نہ انسان کا اصل مسئلہ حل ہوا اور نہ دیگر اُلجھے ہوئے مسائل کا خاطر خواہ حل نکلا بلکہ جب صورتِ حال زیادہ بگڑی تو انسان نے قلبِ ماہیت کی تکمیل کر کے "اشتراکیت" کے دامن میں پناہ لی اور بالآخر اس کی "قساوت" نے انسان کو آتش فشاں پہاڑ پر بٹھا دیا۔

اب دنیا کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو یہ "آتش فشاں" معمولی جھٹکے کے ذریعہ اس کو نیست و نابود کر دے اور یا فطرت خود اُبھر کر سامنے آئے اور موجودہ انسان کے "کام و مقام" کا جائزہ لے کر زندگی کی ازسرِ نو تنظیم و تعمیر کرے ——— ؟

— — .. — — .. — — .. — — —